

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

شخصیت اور طریق کار کے چند گوشے

نعیم صدیقی

کسی اسلامی تحریک یا نظامِ جماعت کو چلانے کے لیے ذرا مختلف قسم کے اوصاف درکار ہیں۔ اس معاملے میں سرکارِ رسالت مآبؐ کی شخصیت مقدسہ اور ان کے مسلک پاکیزہ کا مطالعہ اولین ضرورت ہے۔ بعد ازاں حضورؐ کی پیروی میں حضورؐ کے پروگرام کے مطابق اقامتِ دین کا کام کرنے والوں کا جائزہ لینا مفید ہو سکتا ہے۔

اس نقطہ نظر سے میں جب مولانا مودودیؒ کے حسنِ گفتار اور حسنِ کردار کو دیکھتا ہوں تو مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ شخص اپنے نبی کی مشعل کو بلند کرنے اور اس کے گرد لوگوں کو جمع کرنے کے لیے خاص صلاحیتوں سے نوازا گیا تھا۔

میں یہاں صرف ایک چیز کو لیتا ہوں — محبت و اعتماد !

وہ مرکز کے کارکنوں یا جماعتی رفیقوں یا آنے والے میہانوں سے ہمیشہ محبت و اعتماد کا معاملہ کرتے تھے۔ یہ کسی کو کبھی محسوس نہ ہوا کہ مولانا اس پر کوئی شک رکھتے ہیں، اس کو نا پسند کرتے ہیں، کسی اور کو ترجیح دے کر اسے محسوس کرتے ہیں کہ ہمارے پاس تو تم سے بہتر لوگ موجود ہیں اور تم بھی اگر ان جیسا بننا چاہو تو ہمارے پسند کی ترازو پر پورے اُترو۔ وہ ہر سوال یا اعتراض یا اختلاف پر تند و تیز بحث کر کے آدمی کو دبوچ نہیں لیتے تھے کہ اس کی جرأت اظہار ہی کچل جائے۔ وہ کبھی اختیار ٹٹی اور اختیار نہیں جتاتے

تھے۔ وہ کسی سوال کا جواب یہ نہیں دیتے تھے کہ بس یہ ہمارا فیصلہ ہے۔ نہیں، وہ بار بار مختلف لوگوں سے مختلف طرز پر استدلال کرتے رہتے۔ اہل علم سے، اہل اخلاص سے، اختلاف کرنے والوں سے، دفتر کے کارکنوں سے، معترضین سے۔ اس طرح وہ دلیل کی قوت سے آہستہ آہستہ میدان فتح کرتے چلے جاتے۔ بات کرنے والے کی بات کو کبھی کاٹ کر نہ رکھ دیتے۔ یہ نہ محسوس کراتے کہ یہ ہم پہلے سے جانتے ہیں یا اس پر ہم پہلے بات کر چکے ہیں یا بیان دے چکے ہیں۔ کسی کو یہ بھی نہ کہتے کہ تم کسی سازش کا شکار ہو، تم پر کسی غلط قوت کا اثر ہے۔

بلکہ ان کا بنیادی طریق کار محبت سے تبادلہ خیال کرنا ہوتا، پھر اگر کوئی شخص ساقطی بنتا تو وہ اس پر پورا اعتماد کرتے اور اس کو ایسی ذمہ داری یا ایسا مقام تفویض کرتے کہ وہ ہٹکا بٹکا نہیں، بلکہ کا پنتارہ جاتا اور درخواست کرتا کہ مجھ سے بہتر آدمی مل سکتے ہیں۔ وہ فرطتے کہ آپ یہ کام کریں تو سہی، شاید آپ ہی موزوں آدمی ثابت ہوں۔ چنانچہ مولانا کا اعتماد میرے جیسے چھوٹے چھوٹے آدمیوں کو بڑے بڑے کام کرنے کے قابل بنادیتا۔

اُن کی بڑائی یہی تھی کہ جو ان کے قریب ہوا اُس کو انہوں نے احساس دلایا کہ تم ایک اہم آدمی ہو اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ آہستہ آہستہ وہ آدمی بلند تر ہوتا چلا جاتا۔

مشاورتوں (اور مجالس شوریٰ) میں وہ نہ تو پہلے سے طے شدہ فیصلہ یا اسکیم یا منصوبہ لے کر آتے اور نہ ہی ارکان سے الگ پہلے کسی گروپ کو کسی خاص امر کے لیے تیار کرتے۔ بلکہ صورتِ حالات کا نقشہ سب سے سننے کے بعد کوئی ایک سوال سامنے رکھ دیتے، مثلاً انتخاب میں حصہ لینا چاہیے یا نہیں، اور پہلے سے اپنی طرف سے کوئی رجحان سامنے لائے بغیر تمام رفقاء کو آزادانہ اظہارِ خیال کا موقع دیتے۔ یہاں تک کہ بات ختم کر کسی ایک رُخ پر آ جاتی۔ پھر وہ پھیلے ہوئے الفاظ اور خیالات کو سمیٹ کر سب سے یہ دریافت کرتے کہ کیا آپ کا نقطہ نظر یہ اور یہ ہے؟ اگر محسوس ہوتا کہ فیصلے کا مرحلہ نہیں آیا، بلکہ اختلافی رجحانات موجود ہیں تو اجماع و اتفاق رائے پیدا کرنے کے لیے بحث کے خاص خاص پہلوؤں پر توجہ دلا دیتے کہ یہ اور یہ باتیں بھی زیرِ غور لا کر سوچیں۔ تا آنکہ دو تین دور گفتگو کے چل کر کوئی ایسا فیصلہ طے پاتا جس پر پوری مجلس متفق الرائے ہو جاتی اور بالعموم کسی کے دل میں گھٹن نہ رہ جاتی کہ میری بات کو دبا یا گیا ہے۔ اگر کسی فرد کو ایسی شکایت ہوتی تو ایک آدمی کے لیے ساری بات کے اجزاء پھر سامنے

لاتے۔ بہت ہی کم مواقع پر معمولی اقلیت کے استثنیٰ کے ساتھ اکثریتی فیصلے بھی کرنے پڑے، مگر ایسے انداز میں کہ اختلافی اقلیت کو یہ محسوس نہیں ہوا کہ ہمارے خلاف کوئی خاص دباؤ ہے یا محاذ ہے، بلکہ غیر اختیاری طور پر مجلس میں کامل اتفاق رائے پیدا نہیں ہو سکتا۔ ایسے حضرات اپنی آرا کو ایک طرف رکھ کر بخوشی اکثریتی فیصلے کی علمبرداری میں تعاون کرتے۔

میرا خیال ہے کہ اسلامی نظام جماعت کی امارت اور اس کی تنظیم و تربیت کے بھاری کام کے لیے موجودہ دور کے لحاظ سے بہترین نمونہ سید مودودیؒ نے نہ صرف عملاً پیش کیا بلکہ تحریری طور پر اپنے طریق کار کا ریکارڈ بھی چھپوڑا اور عملی کردار کے گواہ بھی ابھی موجود ہیں۔

مولانا کی صحت قیادت اور ان کی روشن محبت و اعتماد کا راز یہ تھا کہ وہ تحریک کے کام کو اصلاً اقامت دین کا کام اور اس کام کے ہر ضروری جز کو خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ انہوں نے سیاست کو کاملاً تابع دین رکھا۔ دین سے آزاد سیاست، دین سے آزاد جمہوریت یا دین سے آزاد انتخابات کا کوئی تصور دور دور تک ان کے ہاں نہ تھا۔ دین کی رہنمائی، مقاصد اور سرگرمیوں اور رابطوں میں بھی کارفرما رہتی۔ انہوں نے ووٹوں یا سیٹوں کی زیادہ تعداد حاصل کرنے کے لیے ایسے طریقے یا ایسے رابطے کبھی اختیار نہیں کیے جو دینی اصولوں کے خلاف ہوں۔

مولانا مودودیؒ کی ایک عظیم خوبی یہ تھی کہ وہ اونچے سے اونچے مرتبے پر ہوتے ہوئے نچلی سے نچلی سطح کے کارکن تک برادرانہ یک جہتی کا گہرا رابطہ رکھتے۔ خط و کتابت کے ذریعے، گفتگوؤں کے ذریعے، اپنی شام کی مجلس عام کے ذریعے، دوروں میں ایک ایک کارکن سے ملاقات کے ذریعے وہ اپنے رابطے کو گہرا کرتے رہتے تھے۔ وہ کارکنوں کا ذہن جس طرح کئی سال میں تشکیل کرتے تھے، پھر اس بات کا لحاظ کرتے تھے کہ وہ کوئی ایسا فیصلہ و اقدام محض منصب، امارت یا مجلس شوریٰ کے اختیارات کی بنا پر نہ نافذ کر دیں جو خود ان کی بنائی ہوئی ذہنیت سے ٹکرائے اور ان کی اپنی ہی دی ہوئی تربیت کی فصل کو ویران کر دے۔ ان کی خاص صلاحیت تھی کہ وہ تحریک کے اصول و مقاصد کو، جماعت کی روایات و اقدار کو، کارکنوں کے ذہن و مزاج کو پوری طرح نگاہ میں رکھتے تھے اور یہ اندازہ کر لیتے کہ کس معاملے میں کس وقت جماعت اور اس کے کارکنوں کے جذبات و احساسات کیا ہیں اور ان کی مانگ کیا ہے اور ان کی نفرت کا رخ کدھر ہے اور ان کی محبت کی سمت کدھر ہے، کس بات پر وہ جمع ہوں گے، کونسی چیز ان کو

بحثا بحثی میں ڈال دے گی یا بکھیر دے گی۔ نتیجہ یہ کہ وہ کسی مسئلہ خاص کو بھی اصولِ دین اور مصالحِ شرعیہ کے تحت خوب جانچتے اور پھر کارکنوں کے ذہن کی تحریر کی ساخت کا بھی صحیح ناپ تول کرتے۔ پھر جب وہ کوئی بات کہتے تو لوگوں کے چہرے روشن ہو جاتے اور دل کھل اٹھتے اور ان میں کام کرنے اور آگے بڑھنے اور قربانیاں دینے کی اسپرٹ جاگ جاتی۔ سب کے دل جمع ہو جاتے۔ بہت ہی کم کبھی ایسا ہوا کہ کچھ جڑی امور پر کارکنوں کا فوری طور پر پورا پورا اطمینان نہیں ہوا، لیکن پھر بھی وہ تھوڑی بہت افہام و تفہیم ہو جانے پر جادہ فرض پر غوش غوش متحرک ہو گئے۔ یعنی اوپر سے نیچے تک رشتہ اعتماد بحال رہا۔ اندر میں صورت تمام کارکن یہ سمجھتے تھے کہ مولانا مودودی خود کوئی بیان دیں، فیصلہ ہو یا مجلسِ شوریٰ میں کوئی بات طے ہو، ہم سب کا لحاظ رکھا جاتا ہے اور میں اہمیت دی جاتی ہے۔ کم سے کم یہ تو بالکل طور طریق نہ تھا کہ کارکنوں کی تحقیر کر کے انہیں کوئی ادنیٰ اور بے کی چیز قرار دیا جائے یا یہ ظاہر کیا جائے کہ کارکنوں کا ذہن یا نقطہ نظر کچھ بھی ہوا کہ ہے، فیصلہ کرنے والے تو ہم ہیں جس پر انہیں لازماً عمل کرنا ہوگا۔ سوچنے اور بات کہنے کا یہ انداز ہی خطرناک ہے۔ یہ ہماری خاص طرز کی تنظیم کے لیے سمیت نقصان دہ ہے۔ ہم تو اپنے ہر کمزور ساتھی کو بھی احساس دلانا چاہتے ہیں کہ تم بہت اہم ہو اور ہم تمہیں ساتھ لے کے چلیں گے اور تم جو جذبات و احساسات رکھتے ہو اور جو کچھ تم نے لٹریچر اور تنظیم سے حاصل کر کے اپنا ذہن بنایا ہے، اس کا ہم پورا لحاظ رکھیں گے۔ تم اس مشینری کا لازمی حصہ ہو۔ تم سوال بھی کرو، مشور بھی دو، اعتراض بھی اٹھاؤ، پریشانی بھی ظاہر کرو، ہمیں تمہارے اس تعاون کی ضرورت ہے۔ یہ طرزِ عمل تھا جو مولانا مودودی نے اختیار کیا اور میں یا کوئی اور جس نے ان کے ساتھ کام کیا ہو، وہ اس کے گواہ ہیں۔ ایسی بہت سی باتیں ہیں مولانا مودودی کے متعلق جاننے کی، اور پوچھنے اور بتانے کی! افسوس کہ میرے قومی بھی محدود ہیں، وقت بھی محدود ہے اور ترجمان کے صفحات بھی محدود ہیں۔

تاہم جو کچھ میں نے گزارشات کی ہیں، ان پر اگر اخلاص کے ساتھ غور کیا جائے تو میرا ہر رفیقِ شہنی حاصل کر سکتا ہے۔

دوسری طرف ناراض ہونے والے مہربان زحیم و توبیخ بھی کر سکتے ہیں۔

”مسکین دیکم ماندہ دریں کش مکش اندر“

(ترجمہ: میں تو ایک مسکین سا دل ہوں جو موجودہ کش مکش میں گھیر گیا ہے!)

کیا کوئی رسول کبھی قتل نہیں ہوا؟

جناب محمد رفیق چوہدری

دورِ جدید کے بعض تجدید پسند حضرات نے نبی اور رسول کے درمیان فرق و امتیاز کی بحث کرتے ہوئے یہ ممکنہ بھی پیدا کیا ہے کہ اللہ کے نبیوں کو ان کی قوم بعض اوقات قتل بھی کر دیتی رہی ہے، مگر کسی قوم کے مانتھوں کوئی رسول کبھی قتل نہیں ہوا۔ یہ لوگ اس امر کو ایک اصول بلکہ قانون الہی قرار دیتے ہیں کہ نبی کے لیے وفات پانے یا قتل ہونے کی دونوں صورتیں ممکن ہیں۔ لیکن اس کے برعکس اللہ کا رسول وفات پاتا ہے، کبھی قتل نہیں ہوتا۔

چنانچہ بعض لوگوں کے امام صاحب اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:

”رسولوں کا کسی قوم کے مانتھوں قتل ہونا ثابت نہیں ہے“

(تذکرہ قرآن، جلد ۷، ص ۵۴۲ - سورہ ق کی آیت ۴۱ کے تحت)

انہی امام صاحب کے ایک مقلد اس کی مزید تشریح کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ:

”رسولوں کے بارے میں اس اہتمام کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ خدا کی زمین پر خدا کی کامل حجت بن کر آتے ہیں۔ وہ آفتابِ نیم روز کی طرح قوم کے آسمان پر چمکتے ہیں۔ کوئی دانا دنیا کی دلیل و برہان کی بنا پر ان کا انکار نہیں کر سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو کسی حال میں ان کی تکذیب کرنے والوں کے حوالے نہیں کرتا۔ نبیوں کو ہم دیکھتے ہیں کہ ان کی قوم ان کی تکذیب ہی نہیں کرتی، بارگاہِ ان کے قتل کے درپے ہو جاتی ہے۔ اور ایسا ہوا بھی ہے کہ وہ اس میں کامیاب ہو جاتی ہے۔ تو ریت کا اپنا بیان ہے کہ نہ کر یا کوئین۔ بی بی سلیمان میں مقدس